بحر العلوم مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ترجمان

ساجد علی مصباحی۔استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی و نسلّم علی رسولہ الکریم

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان (ولادت: ۷؍ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ/ ۲۶؍نومبر ۱۹۲۵ء- وفات: ۱۵؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ/ ۲۹؍نومبر ۲۰۱۲ء) جہانِ درس وتدریس کے بے تاج بادشاہ اور آسمانِ فکر وفن کے مہر تاباں تھے، ان کی ذاتِ بابرکات سے علوم ومعارف کے چشمے ابلتے تھے جبھی تو عوام وخواص انھیں ''بحر العلوم'' کہتے تھے۔علم وعمل کے اس پیکرِ جمیل کی بذلہ سنجی مختلف علوم وفنون کی گتھیاں سلجھاتی اور اس سراپائے شعور وآگہی کی خاموشی حکمت ودانائی کا پتہ دیتی تھی، حلم وبردباری اور تواضع وانکساری کا مفہوم ان کی نشست وبرخاست سے بھی سمجھا جاتا تھا ؛اسی لیے تو ان کی فیض بار مجلس سے مستفید ہونے والا رخصت ہونے کے وقت زبانِ حال سے میرؔ کے یہ اشعار گنگناتا نظر آتا تھا ؎

ملیے اس شخص سے جو آدم ہووے ناز اپنے کمال پہ جسے کم ہووے
جب گرم سخن ہو تو گرد آوے مخلوق اور خاموش ہو تو اک عالم ہوے

گوناگوں خوبیوں کے حامل اس مردِ حق آگاہ کا سب سے نمایاں وصف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مشن اور مسلک کی ترجمانی یعنی مذہبِ اسلام کی ترویج واشاعت، رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی عقیدت ومحبت اور ان کی عظمتِ شان مخلوقِ خدا کے دلوں میں جاگزیں کرنا تھا اور ''الحب فی اللہ و البغض فی اللہ'' یعنی اللہ جلّ شانہ کی رضا وخوشنودی کے لیے کسی سے محبت کرنا اور اسی کی رضا وخوشنودی کے لیے کسی سے دشمنی کرنا ان کا طغرائے امتیاز تھا، جس کی تفصیل کے لیے طویل دفتر اور لمبا وقت درکار ہے، سرِ دست ہم اثباتِ مدعا کے لیے بحر العلوم علیہ الرحمہ کا ایک فتوی سامنے رکھتے ہیں، اس سے آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ جب ان کی بارگاہِ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے ایمان افروز کلام پر کسی بد باطن کا کوئی اعتراض پیش کیا جاتا تو وہ کس طرح سے معترض کو منہ توڑ جواب دیتے اور کیسے کلامِ رضا کی مدلل ترجمانی کرنے کے بعد اعتراض کرنے والے کو اس کے گھر کا راستہ دکھاتے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے ایک شعر پر اعتراض:

جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ کے ایک مدرس مولوی محمد جہاں گیر مظاہری نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے ایک شعر اور ان کی وصیت کے تعلق سے ایک اعتراض نامہ بشکل استفتا پیش کیا، جس کا آغاز کچھ اس طرح ہے:

''اہل سنت وجماعت کے علمائے کرام اور ان کے اربابِ حلّ وعقد سے اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدّدِ ملّت، حکیم الامّت کی عبارت کے متعلق ایک استفتا''۔-----اس استفتا کا خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ شعر:

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

قرآن مجید کی کئی آیتوں کے خلاف ہے۔(۱) اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمین وآسمان کی کنجیوں کے مالک ہیں، جب کہ قرآن شریف میں ہے: { لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ } (الزمر ۳۹، آیت ۶۳) یعنی زمین وآسمان کی کنجیاں خدائے تعالیٰ کے پاس ہیں۔

(۲) اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق کی تقسیم بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے ہیں؛ کیوں کہ بقولِ اعلیٰ حضرت ہر چیز کی کنجی آپ کے ہاتھ مبارکہ میں دے دی گئی ہے، جب کہ قرآن میں ہے: { لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَ يَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ } (الشوریٰ ۴۲، آیت ۱۲)

(۳) اس شعر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کی عزت وذلت کی کنجی بھی آپ کے ہاتھ شریف میں دے دی گئی ہے، جب کی قرآن

شریف میں ہے: {قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُوتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ} (آل عمران ۳، آیت ۲۶)

(۴) اس شعر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ساری کائنات کے حاکم ہیں اور ان کی حکومت نافذ ہے، جب کہ قرآن عظیم میں ہے: {وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ} (الرعد ۱۳، آیت ۳۸)

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے بالکل قدرت کی نفی ہو رہی ہے۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ ہی چاہیں تو اب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے : قال اللہ تعالیٰ : انی انا اللہ لا الٰہ الا اللہ انا مالك الملك و مالك الملوك و قلوب الملوك فی یدی۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نافذ حکومت صرف خدائے تعالیٰ کے لیے ثابت ہے، بلکہ حضور کے ذاتی قبضہ وقدرت میں ایک تنکا تک نہیں ہے۔

اظہارِ حقیقت:

آپ نے اعتراض نامہ پڑھ لیا ہے، اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ سائل کے عقائد ونظریات کیا ہیں، وہ خدائے وحدہٗ لاشریک اور اس کے رسولِ مقبول علیہ الصلاۃ والسلام سے کتنی محبت رکھتا ہے اور آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ نقل کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو کس طرح فریب دینا چاہتا ہے؛ اس لیے کہ ہر مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے کا حقیقی خالق ومالک خدائے وحدہٗ لاشریک ہی ہے، اور یہ بھی ظاہر وباہر ہے کہ اس قادر مطلق رحمن ورحیم نے اپنے بندوں کو بہت کچھ اختیارات دیے ہیں اور مقربین بارگاہ کو طرح طرح کے فضائل ومناقب سے شرف بخشا ہے، جسے جس منصب کے لائق بنایا اسے اسی حساب سے قدرت واختیار بھی عطا فرمایا۔ حد تو یہ ہے کہ ایک عام انسان کو بھی اپنے کنبہ وخاندان پر اختیار وتصرف دیا، زمین وجائداد اور دیگر اشیا کا مالک بنایا؛ اسی لیے تو ہر مکتبۂ فکر کے لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ یہ میرا مکان ہے، وہ میری زمین ہے، یہ میری گاڑی ہے، وہ میرا کارخانہ ہے۔ کیا اس وقت کسی کو یہ ہوش نہیں آتا کہ رب تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: {لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ} (آل عمران ۳، آیت ۱۰۳) اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کیا ان کا اس طرح کہنا قرآن کے مخالف نہیں معلوم ہوتا؟

اس کا جواب ہر کوئی یہی دے گا کہ یہ قرآن کے خلاف نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے جو اختیارات وتصرفات ہیں وہ حقیقی اور ذاتی ہیں اور بندوں کے لیے جو اختیارات وتصرفات ثابت ہیں وہ عطائی اور مجازی ہیں۔ یہی مذہبِ حق اور مذہبِ اہل سنت وجماعت ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے زندگی بھر اسی کی ترجمانی کی اور اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب بیان کرتے رہے۔ مگر افسوس! ان وہابیہ اور دیابنہ پر، کہ یہ خود اپنے اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے لیے تو بڑے سے بڑا اختیار اور تصرف ثابت مانتے ہیں، مگر مختار کائنات، فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات وتصرفات کا انکار کرتے ہیں اور بے جا طور پر قرآن کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛ اسی لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی منکرو ! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

اس لیے جب حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں یہ اعتراض نامہ پہنچا تو آپ نے پہلے سائل کو اس کے سوال کا آئینہ دکھایا، پھر آیات واحادیث اور تفسیر وشروح سے اس کے تمام اعتراضات کا مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمایا اور آخر میں سائل کو اس کے گھر تک پہنچانے کے لیے اس کے بزرگوں کے مقاماتِ عالیہ کی سیر بھی کرادی؛ تاکہ دوبارہ کسی کو اس طرح ہرزہ سرائی کی ہمت نہ ہو۔

سائل کا اعتراف:

حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے اس اعتراض کے اصل جواب سے پہلے انتہائی آسان اور سنجیدہ لب ولہجے میں یہ واضح فرمادیا کہ سائل یہ مانتا ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں ہے، ہاں! اللہ تبارک وتعالیٰ اگر چاہے تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو

اختیارات دے دے اور سرکار اس میں جو چاہیں تصرف فرمائیں، چنانچہ سوال نامہ میں ہے کہ ''حضور کے ذاتی قبضہ وقدرت میں ایک تنکا تک نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ ہی چاہیں تو اب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعہ سب کچھ ہوسکتا ہے''۔(یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمین وآسمان کی کنجیوں کے مالک ہوسکتے ہیں، رزق تقسیم کرسکتے ہیں، مخلوق کو عزت وذلت دے سکتے ہیں اور آپ کی حکومت نافذ ہوسکتی ہے۔

اور سائل اس بات کا بھی معترف ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے یہ کمالات ذاتی نہیں مانتے ہیں، بلکہ اللہ جلّ شانہ کی عطا مانتے ہیں جیسا کہ سوال نامہ میں ایک جگہ ہے ''بقولِ اعلیٰ حضرت ہر چیز کی کنجی آپ کے ہاتھ مبارکہ میں دے دی گئی ہے'' اور ایک جگہ اس طرح ہے کہ ''اس شعر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کی عزت وذلت کی کنجی بھی آپ کے ہاتھ شریف میں دے دی گئی ہے''۔

لہذا اب اگر قرآن وحدیث سے یہ ثابت کردیا جائے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی جانب سے یہ کمالات عطا کیے گئے ہیں تو سائل کے شبہات بھی ختم ہوجائیں گے، ساتھ ہی سوال میں ذکر ہوئی آیتوں کا جواب بھی ہوجائے گا اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے کلام پر بے جا اعتراض کی حقیقت بھی طشت از بام ہوجائے گی۔

اعتراض کا جواب:

حضرت بحر العلوم علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کے جواب میں پہلے اس پر روشنی ڈالی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کی عطا سے دونوں جہان کے مالک ومختار ہیں، شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ ''تفسیر عزیزی'' میں فرماتے ہیں: {اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً} (البقرہ ۲، آیت ۳۰) بتحقیق من گرداننده ام در زمین خلیفه که خلافتِ من نماید ودر اشیاے زمین تصرف کند، وچوں تصرف در اشیاے زمین بدونِ تصرف در اسبابِ آں اشیا که مربوط بآسمان است متصور نیست، پس ہر چند آں خلیفه درمحلّ کون وفساد ساکن ومستقر گردد، دروے روحِ آسمانی نیز خواہم رسید که بہ سببِ آں بر مکانِ آسمان وموکلانِ کواکب نیز حکمرانی نماید وآنہا را بکارِ خویش مصروف سازد۔

اس آیت کی تفسیر علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس طرح فرمائی: خلیفة یخلفنی فی تنفیذ احکامی . ان حوالوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جس کو اپنا خلیفہ بنایا وہ اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرے گا، اشیاے زمین میں تصرف کرے گا، زمین میں رہ کر آسمانوں اور موکلانِ کواکب پر حکمرانی کرے گا اور انھیں اپنے کام میں لائے گا۔ تو جب اس آیتِ کریمہ سے اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اوّل کے لیے یہ اختیارات وتصرفات ثابت ہیں تو خلیفۃ اللہ الاعظم حضور محمد رّسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کیسا تصرف اور کیسی عظیم حکومت ثابت ہوگی۔ اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

زمین وآسمان کی کنجیاں آپ کو عطا کی گئیں:

اب رہا یہ مسئلہ کہ زمین وآسمان کی کنجیاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کی گئیں ہیں، اس کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کے لیے بخاری شریف کی یہ حدیث مطالعہ فرمائیں جو حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: و انی اعطیت مفاتیح خزائن الارض او مفاتیح الارض. یعنی مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح میں ہے کہ حضرت ربیعہ ابن کعب سے مروی ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے فرمایا : سل، قال: اسئلك مرافقتك فی الجنة. قال : او غیر ذالك ؟ قلت : هو ذاك . قال : فاعنّی علی نفسك بكثرة السجود .

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: از اطلاقِ سوال کہ گفت: سل یعنی خواہ تخصیص نہ کرد بمطلوبِ خاص، معلوم می شود کہ ہمہ بدستِ کرامتِ اوست۔ اور اسی اشعۃ اللمعات میں ہے: ملک وملکوت، جن وانس بتقدیر وتصرفِ الٰہی در حیطۂ تصرفِ وے بود۔

ان سب حدیثوں اور ان کی شرحوں سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا وآخرت کی کنجی بلاشبہہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ اقدس میں ہے، بلکہ سارے عالم اور ملک وملکوت پر بعطاے الٰہی آپ کو قدرت واختیار ہے اور آپ جس کو جو چاہیں عطا فرما سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رزق تقسیم فرماتے ہیں:

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ جلّ شانہٗ کی عطا سے رزق تقسیم فرماتے ہیں، اس کی دلیل خود سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ

ارشاد ہے جو بخاری شریف میں ہے : انما انا قاسم واللہ یعطی ۔یعنی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے عینی شرح بخاری سے ایک عبارت پیش کی ، پھر خود مذکورہ حدیثِ پاک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: اس عبارت کی ہیئتِ ترکیبی بھی یہی گواہی دیتی ہے کہ یہ تقسیم تمام انعاماتِ الٰہیہ کو شامل ہے، یوں کہ یعطی کا مفعول بہ مذکور نہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا کیا چیزیں دیتا ہے، کیا نہیں ؛ کہ کائنات کی ہر چیز کا دینے والا وہ رب العٰلمین ہے۔ اور کلام میں اس کی تفصیل بھی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کیا چیزیں تقسیم کرتے ہیں، تو ہر چیز کا دینے والا اللہ تعالیٰ اور سب کے تقسیم کرنے والے اس کے رسولِ مقبول علیہ الصلاۃ والسلام ۔ پس اس صحیح حدیث کی روشنی میں آپ کو رزق تقسیم کرنے والا کہنا کیا غلط ہے؟

اس کے بعد قرآن پاک کی دو آیتیں پیش کیں ۔(۱) { وَمَا نَقَمُوْا اِلّا اَنْ اَغْنَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ} [التوبہ۹، الآیۃ ۷۴] (۲) { وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتَاهُمُ اللهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ سَيُؤْتِيْنَا اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗ اِنَّا اِلَى اللهِ رٰغِبُوْنَ} [التوبہ ۹، الآیہ ۵۹]

ان دونوں آیتوں میں واضح طور پر مالدار کرنے اور دینے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے، تو اگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے یہی بات کہ دی تو یہ قرآن کے خلاف کیسے ہوئی ؟

اس کے بعد حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے ایک آیت نقل فرمائی جو درحقیقت بدمذہبوں اور اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مخالفین ومعاندین کا چھپا ہوا چہرہ ہے، وہ آیتِ کریمہ یہ ہے: { اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ } (البقرہ ۲، آیت ۸۵) یعنی کیا خدا کے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو اور بعض احکام کا انکار کرتے ہو۔

حضور ﷺ کا حکم نافذ ہے:

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم نافذ ہے، اس کی دلیل بھی بحر العلوم صاحب قبلہ نے قرآن پاک سے پیش فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے: {فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا} (النساء ۴، آیت ۶۵) آپ کے رب کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اپنے اختلافات میں آپ کو حکم تسلیم نہ کرے اور آپ کے فیصلہ کے خلاف اپنے دل میں کوئی خیال بھی نہ لائے۔

حضرت علامہ ابن حجر مکی الدر المنظم میں فرماتے ہیں: هو خليفة الله الاعظم جعل خزائن كرمه و عوائد نعمه طوع يده وتحت ارادته يعطى من شاء ماشاء .

ہم کو ان کا حکم ماننا اتنا ضروری ہے کہ اس کے خلاف دل میں خیال بھی نہ لائیں اور اللہ تعالیٰ کے ایسے خلیفہ اعظم کہ اللہ کے خزائن رحمت ان کے قبضہ واختیار میں ہیں، جس کو چاہیں عطا فرمائیں ۔ آخر یہ حکومت نافذ نہیں تو اور کیا ہے؟۔

مخلوق کی عزت وذلت کی کنجی حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہے:

ان آیات واحادیث اور اقوالِ سلفِ صالحین سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ رب تبارک وتعالیٰ نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زمین وآسمان، بلکہ سارے جہان کا مالک ومختار بنادیا ہے، زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو سپرد کردی گئی ہیں، آپ جسے چاہیں، جتنا چاہیں عطا فرمائیں اور آپ کی نافذ حکومت کی شان یہ ہے کہ جب تک انسان اپنے اختلافات میں آپ کو حکم نہ بنائے، اور آپ کے فیصلے کو بسر وچشم تسلیم نہ کرے اس وقت تک وہ مومن ہی نہیں ہوسکتا۔

چوں کہ سائل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انھیں تصرفات واختیارات کو نہ جاننے ، بلکہ نہ ماننے کی بنیاد پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اعلیٰ حضرت کے اس شعر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کی عزت وذلت کی کنجی بھی آپ کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے، جب کہ یہ قرآن کے خلاف ہے ؛ اس لیے بحر العلوم علیہ الرحمہ نے ان تمام اختیارات وتصرفات کو تفصیل سے ثابت کیا، پھر اس اعتراض کے جواب میں نہایت اختصار کے ساتھ فرمایا:

”اب جب کہ قرآن وحدیث وتفسیر سے یہ اختیارات ثابت ہوگئے تو سائل کو یہ بھی تسلیم کرلینا چاہیے کہ بلاشبہہ مخلوق کی عزت وذلت کی

کنجی بھی آپ کے دست کریم میں اللہ تعالیٰ نے دے دی ہے''۔

سائل کو اس کے گھر تک پہنچانے کا سبب:

سائل کے جواب کے لیے اتنا ہی بہت تھا، لیکن حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ خوب جانتے تھے کہ یہ دیوبندی بڑے ہٹ دھرم ہوتے ہیں اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب اور ان کے اختیارات وتصرفات کا بیان سن کر بے جا قرآن وحدیث سے ثبوت مانگتے ہیں، مگر جب اپنے بزرگوں کا معاملہ ہوتا ہے تو بغیر کسی دلیل کے تسلیم کر لیتے ہیں، اس وقت انھیں نہ تو آیاتِ قرآنیہ یاد آتی ہیں اور نہ ہی ان کے اختیارات خدائے وحدہ لاشریک کے اختیارات کے متضاد معلوم ہوتے ہیں؛ اس لیے حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے صرف جواب پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ سائل کو اس کے گھر تک پہنچا دیا؛ تاکہ بد مذہبوں کی دورنگی ظاہر ہو جائے اور قرآن وحدیث نقل کر کے جو سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دیتے ہیں وہ بھی طشت از بام ہو جائے۔ چنانچہ بحر العلوم صاحب قبلہ خود فرماتے ہیں:

''ہمارے اس تفصیلی جواب سے امید تو یہی ہے کہ سائل کو اپنے شبہات سے نجات مل جائے گی، مگر فی الوقت وہ جس قوم کی ترجمانی کر رہے ہیں ان کی حوصلہ شکنی کے لیے ضروری ہے کہ انھیں ان کے گھر تک پہنچا دیا جائے؛ تاکہ اپنے بزرگوں کے مقاماتِ عالیہ کی سیر کریں اور ان کے اختیاراتِ عامہ دیکھیں، پھر قرآن کی مذکورہ فی السوال آیات کی موافقت ومخالفت پر غور کریں''۔

(۱) مولوی اسماعیل دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم ص ۱۱۲ پر اولیا کو حسبِ ذیل مناصب تقسیم کر رہے ہیں:

''اربابِ ایں مناصبِ رفیعہ ماذونِ مطلق در تصرفاتِ عالم مثال و عالم شہادت می باشند، اولیاے کبار اولی الابصار را می رسد کی تمامی کائنات را بسوے خود منسوب نمایند مثلاً ایشاں را رسد کہ گویند کہ از فرش تا عرش حکومتِ ماست''۔

اس منصبِ بلند کے لوگ عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کا حق رکھتے ہیں، ماذونِ مطلق ہیں، ان بڑی قدرت اور علم والوں کو حق ہے کہ تمام عالم کو اپنی طرف منسوب کریں اور کہیں کہ عرش سے فرش تک ہماری حکومت ہے۔

اب فرمائیے! مولوی اسماعیل دہلوی اولیا کے لیے یہ اختیارات، یہ پورے عالم کی حکومت مان کر کیا ہوئے اور ان کے یہ اختیارات آیاتِ مذکورہ فی السوال کے منافی ہیں یا نہیں؟۔

(۲) مولوی محمود الحسن دیوبندی مولوی رشید احمد گنگوہی کے مرثیہ میں لکھتے ہیں:

خدا ان کا مربی، وہ مربی تھے خلائق کے مرے مولا، مرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی (مرثیہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۱۲)

دیکھیے مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے اپنے شیخِ ربانی کو رب العلمین کے ہم معنیٰ مربی خلائق کا لقب دیا، تربیت میں روزی کے ساتھ ساتھ پرورش کی تمام قسمیں شامل ہیں، تو یہ لقب آیتِ شریفہ {تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ} (آل عمران ۳، آیت ۲۷) کے معارض ہوا کہ نہیں؟

(۳) انھیں شیخِ ربانی کے حکم کی تنفیذی قوت ملاحظہ ہو:

نہ رکا، پر نہ رکا، پر نہ رکا ان کا جو حکم تھا، تھا سیفِ قضاے مبرم (مرثیہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۳۱)

قضاے مبرم اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس کا وقوع قطعی ہے، ان شیخِ ربانی کے ہر ہر حکم کی یہی شان ہے؛ اس لیے اپنے سوال کا وہ حصہ پھر ایک دفعہ غور سے پڑھ لیجیے جہاں آپ نے لکھا ہے کہ نافذ حکومت صرف خدائے تعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔ اور بتائیے کہ اپنے جرگہ کے بزرگوں کے لیے کچھ اور، اور اللہ تعالیٰ کے رسول اور مقبول بندوں کے لیے کچھ اور، یہ دوہرا معیار کیوں؟

ہندوستان میں یہ فکر کہاں سے پیدا ہوئی؟

آخر میں حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے اس امر کی بھی وضاحت فرما دی کہ ہندوستان میں انبیاے کرام، اولیاے عظام اور مقبولانِ بارگاہ خدا کی شان میں اس طرح کی گستاخیاں کب سے شروع ہوئیں اور ان کے مسلمہ اختیارات کے خلاف سب سے پہلے کس نے آواز اٹھائی، ساتھ ہی ان کتابوں میں سے بعض کی نشاندہی بھی فرما دی جو اس نئی فکر کے رد میں لکھی گئیں؛ تاکہ سائل اچھی طرح سے حق و باطل کے درمیان امتیاز کر سکے اور اگر اس کے اندر ذرا بھی حرارتِ ایمانی باقی ہو تو وہ ایسی گندی فکر سے توبہ کر کے راہِ راست پر آ جائے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مقبولانِ بارگاہ الٰہی کے اختیارات کا مسئلہ ہندوستان میں مولوی اسماعیل دہلوی نے اٹھایا، اس وقت جمہور علماے اسلام نے ان کے خلاف قدغن اور زجر وملامت کی اور ان کا رد بھی لکھا، خود ان کے خاندانی بزرگوں نے بھی ان کی تردید کی، موصوف'' تقویۃ الایمان'' میں لکھتے ہیں'' جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں''۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر ہے'' کائنات میں اپنے ارادے سے تصرف کرنا، حکم چلانا، خواہش سے مارنا، جلانا، فراخی وتنگی، تندرستی وبیماری، فتح وشکست دینا خدا کی ہی شان ہے، پھر جو شخص کسی غیر اللہ میں ایسا تصرف ثابت کرے ایسا شخص مشرک ہے خواہ ذاتی مانا جائے یا اللہ کا دیا ہوا، ہر صورت میں یہ عقیدہ کا شرک ہے''۔

اس قسم کی باتوں کا تفصیلی رد معلوم کرنا ہو تو اطیب البیان ،الامن والعلیٰ ،الکوکبۃ الشھابیۃ وغیرہ کتابیں دیکھی جائیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے وصایا پر اعتراضات:

سائلِ مذکور نے اپنے اعتراض نامہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی ایمان افروز وصایا کو قرآن وحدیث کے خلاف سمجھا ، یا دیدہ ودانستہ غلط مانا؛ اس لیے اس نے وصایا شریف کی درج ذیل عبارتوں سے متعلق قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس شرعی سے دلیل طلب کی:

(۱) اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ''حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے، اس پہ مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے، اللہ توفیق دے''۔(وصایا شریف ص ۸) کیا یہ عبارتِ وصیت قرآن وحدیث سے ملتی جلتی ہے؟

(۲) اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:''اعزا سے اگر بہ طیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیا سے بھی بھیج دیا کریں: دودھ کا برف خانہ ساز اگر چہ بھینس کے دودھ کا ہو، مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ، خواہ بکرے کا شامی کباب، پراٹھے اور بالائی، فیرنی، اردکی دال مع ادرک ولوازمات، گوشت بھری کچوریاں، سیب کا پانی، اچار، سوڈے کی بوتل، دودھ کا برف، اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے تو یوں کر دیا، جیسے جانو، مگر بہ طیب خاطر، میرے لکھنے پر مجبورانہ، نہ ہو''۔

اعلیٰ حضرت کی اس وصیت کو قرآن وحدیث واجماع وقیاس شرعی سے ثابت کریں۔

اظہار واقعہ:

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے وصایا شریف کے تمام مشمولات کتاب وسنت اور اقوالِ علماے امت کے عین مطابق ہیں، لیکن علماے دیوبند جو خداے وحدہ لاشریک اور اس کے محبوب علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہوں کے گستاخ ہیں، جب وہ اپنی اور اپنے بزرگوں کی توہین آمیز عبارتوں کا جواب دینے سے عاجز رہتے ہیں تو اپنی خجالت دور کرنے کے لیے علماے اہل سنت کی کتابوں میں غلطیاں تلاش کرتے پھرتے ہیں، اور جب کچھ نہیں ملتا تو زبردستی غلطی بنا کر عوام میں اس کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔

سائل کا یہ اعتراض بھی اسی روش کا حصہ ہے۔ اس اعترض کا جواب علماے اہل سنت نے بارہا دیا اور حق آفتابِ نیم روز کی طرح روشن بھی ہو گیا، مگر یہ آج تک اسے دہراتے پھر رہے ہیں؛ اس لیے حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے پہلے اس کی مختصر تاریخ بیان فرمائی اور اس کے بعد قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسا دنداں شکن جواب لکھا کہ ان معاندین کے اندر اگر شرم وحیا کا ذرا سا بھی حصہ ہو تو پھر سر نہ اٹھائیں۔ اس جواب کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:

اعتراض کی مختصر تاریخ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے وصایا شریف کی اسی عبارت کے حوالے سے مولوی منظور احمد نعمانی نے ۱۳۵۲ھ میں ادری ضلع اعظم گڑھ کے مناظرے میں اعتراض کیا، پھر قصبہ مبارک پور سے شائع ہونے والی کتاب''مقامع الحدید'' میں اسے شائع کیا گیا، اسی وقت اس کا جواب مناظرے میں زبانی اور ''العذاب الشدید'' میں تحریری دیا گیا، اسی کا اعادہ دیوبندی تحریر''آئینۂ باطل'' میں ہوا، جس کا جواب ''برقِ خداوندی'' ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوا، پھر اسی کو مولوی نور محمد صاحب ٹانڈوی نے اپنی کتاب''اعلیٰ حضرت بریلوی کا حقہ شریف'' میں دہرایا ، جس کا جواب خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی نے اپنی تحریر موسوم بہ''انکشاف حقیقت'' ۱۳۹۰ھ میں دیا، ان ہی ایام میں دار العلوم دیوبند

کے دار التبلیغ سے ایک پوسٹر بنام ''رضا خوانی عقائد باطلہ ان کے اقوال کے آئینہ میں'' شائع ہوا، اس کا بلیغ رد مولانا مفتی شریف الحق امجدی صاحب نے اپنی کتاب ''التحقیقات'' ۱۳۹۱ھ میں چھاپا۔

اعتراض کا جواب:

اس سلسلے میں دیوبندیوں کا اصل اعتراض یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے وصیت میں ''میرا دین و مذہب'' کہ کر یہ ظاہر کیا کہ انھوں نے کوئی نیا دین قائم کیا ہے۔ اور اتباعِ شریعت کے لیے تو یہ وصیت کی کہ ''جہاں تک ہو سکے اتباعِ شریعت نہ چھوڑو'' اور اپنے دین و مذہب کو اتنا بڑھا دیا کہ اس پر مضبوطی سے قائم رہنے کو ہر فرض سے اہم فرض بتایا۔

اس لیے بحر العلوم صاحب نے پہلے یہ واضح فرمایا کہ مذہبِ اسلام میں اعتقادی حصہ کو ''دین'' اور عملی حصہ کو ''شریعت'' کہا جاتا ہے اور عقائد طبعاً اعمال پر مقدم ہیں؛ کیوں کہ کوئی عمل بغیر ایمان کے مقبول نہیں ہو سکتا، پھر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی وصیت کی وضاحت فرمائی کہ ان کے مخاطب راسخ العقیدہ مسلمان تھے؛ اس لیے اپنی وصیت میں پہلے آپ نے عملی پہلو کے لیے تاکید فرمائی کہ تم لوگ جہاں تک تمھارے بس میں ہو شریعت کی پابندی نہ چھوڑنا اور جد جہد کی انتہائی منزلوں تک شریعت (عملی احکام) کی بجا آوری کرنا۔ یہ بالکل قرآن پاک کے مطابق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [لاَ یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلّا وُسْعَھَا } (البقرہ ۲، آیت ۲۸۶) اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

پھر اعتقادی حصہ کی مقصدیت اور اہمیت کے پیش نظر مناسب الفاظ سے تاکید فرمائی کہ میرا دین و مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ یہ تاکید بھی قرآن پاک کے مطابق ہی ہے؛ اس لیے کہ ضروریات دینیہ پر ایمان ہر وقت ضروری ہے، اس میں بقدر طاقت کی شرط نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {اِلّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ} (النحل ۱۶، آیت ۱۰۶) یعنی جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہو (اس پر اللہ کا غضب ہے) سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو (وہ مغضوب نہیں)۔ اس سے صاف واضح ہے کہ وصیت کا دونوں حصہ قرآن پاک عین مطابق ہے، مگر عداوت و دشمنی کا کیا علاج؟ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے ست گل است سعدی و در چشم دشمناں خار ست

اب رہا یہ اعتراض کہ ''میرا دین و مذہب'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے کوئی الگ دین قائم کیا ہے، تو یہ اعتراض صرف ضد اور نفسانیت کا نتیجہ ہے؛ کیوں کہ یہ اس وقت صحیح ہوتا جب کہ اسلام میں دین و مذہب کی اضافت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف کرنا ناجائز و حرام ہوتا اور ایسا کہنا قرآن و حدیث کے خلاف ہوتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں کثرت کے ساتھ اللہ و رسول کے ساتھ اسلام کے پیروکار مسلمانوں کی طرف بھی دین کی نسبت کی گئی ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) قرآن عظیم میں ہے: { وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجاً۔} (النصر ۱۱۰، آیت ۲) اور آپ دیکھیں کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ اس میں دین کی نسبت اللہ جلّ شانہ کی طرف ہے۔

(۲) حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ کافروں کو بتا دیں: {لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔} (الکافرون ۱۰۹، آیت ۶) تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ اس میں دین اسلام کی نسبت سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف ہے۔

(۳) قرآن پاک میں ہے: { اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ } (المائدہ ۵، آیت ۳) آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔ اس میں دین کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے۔

اس طرح بحر العلوم صاحب نے بارہ آیات، چار احادیث اور متعدد اقوالِ علما سے واضح کر دیا کہ دین کی نسبت اللہ و رسول اور عامہ مسلمین سب کے لیے ثابت ہے، اور ہر سہ ضمیر کے ساتھ کہ تیرا دین، میرا دین، اس کا دین، سب کہنا جائز ہے، تو وصایا شریف کا جملہ ''میرا دین و مذہب'' کیوں صحیح نہیں؟۔ اس کو قرآن و حدیث کے خلاف کہنے میں تو وہی بات ہوئی:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اس طرح خوب واضح کرنے کے بعد بحر العلوم صاحب نے سائل کو کتبِ دیوبند کی بھی سیر کرا دی؛ تاکہ وہ اپنے بزرگوں کی کتابیں ملاحظہ

کریں اور دیکھیں کہ علماے دیوبند نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔

علماے دیوبند کی کتابوں کے مندرجات:

(۱) مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی مختصر کتاب ''حفظ الایمان'' میں سات جگہ ہماری شریعت، ہماری شریعت، تحریر فرمایا ہے۔ تو کیا اس کا یہی مطلب سمجھا جائے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو مذہب وشریعت میں نے اسلام کے خلاف ایجاد کیا ہے؟

(۲) المہند ص ۵ پر ہے کہ ''مولوی خلیل احمد صاحب نے جن کو لکھا ہے، واقعی اس قابل ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جائے اور ان سب کو مذہب قرار دیا جائے''۔ تو کیا یہ مذہب مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا ایجاد کردہ ہے اور اسلام کے خلاف ہے جس کو مصنف ''المہند'' مذہب وایمان قرار دے رہے ہیں، اور اگر اس عبارت کا یہ مطلب نہیں تو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب نے جو یہ کہا کہ ''میرا دین ومذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے'' کیوں ان کے دین ومذہب کا اسلام کے خلاف ایجاد کردہ ہونے پر دلالت کرے گا؟

(۳) مولوی رشید احمد گنگوہی نے مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کو عین اسلام قرار دیا۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی یہ بد نام زمانہ کتاب جس میں زبان کی بدتہذیبی، شرک جلی اور جس کی وجہ سے مفت میں فساد پھیلنے کا اقرار خود مولوی اسماعیل دہلوی نے کیا (ارواح ثلاثہ) مولوی گنگوہی صاحب کے نزدیک تو عین اسلام ہے مگر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں نے اگر یہ کہ دیا کہ اسلام کا بیان میری کتابوں میں ہے تو قیامت آ گئی۔ انا للہ و انا الیہ رجعون .

(۴) مولوی رشید احمد گنگوہی کی تعلّی ملاحظہ ہو: ''سن لو! حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے، میں بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں، مگر اس زمانہ میں حق موقوف ہے میری اتباع پر''۔ اور آپ ابھی اس شبہہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہ کیوں لکھ دیا ''میرا دین ومذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے۔

سنئے! ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ اسلام کو اپنا دین ومذہب کہے اور اسلام کے بارے میں لکھی ہوئی اپنی کتابوں کے بارے میں یہ کہے کہ ان کتابوں سے میرا دین (اسلام) ظاہر ہے۔

وصایا کی عبارت کا دوسرا حصہ:

اعتراض نامہ میں ذکر کی گئی وصایا کی عبارت کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے انواع واقسام کے کھانوں کا ذکر کر کے اپنے احباب واعزہ کو وصیت کی ہے کہ ہو سکے تو یہ سب یا ان سے کوئی ایک کھانا تیار کر کے اس کی فاتحہ دلا دینا۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد صرف فقرا کی غمگساری وہمدردی ہے کہ زندگی میں تو خود ان کی خبر گیری ودستگیری فرماتے رہے اور بعد انتقال کے لیے یہ وصیت فرما گئے ؛ کیوں کہ مذکورہ وصیت سے پہلے والی وصیت میں صراحۃً آپ فرما چکے ہیں کہ ''فاتحہ کے کھانے سے اغنیا کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقرا کو دیں اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ کہ جھڑک کر، غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو''۔

حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے اس اعتراض کے سلسلے میں فرمایا: بلا شبہہ یہ وصیت بھی احکام اسلام اور احادیث کریمہ کے ارشاد کے دائرے میں ہے، وصیت کی تاکید خود سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی، ارشاد نبوی ہے:

''ما حق امرء مسلم له شیء یوصی فیه یبیت فیه لیلتین الا وصیته مکتوبة عنده''. متفق علیه. (مشکاۃ المصابیح ص ۲۶۵)

جس مسلمان کو وصیت کرنی ہو تو دو دن بھی ایسا نہیں گزرنا چاہیے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ مطلب یہ کہ وصیت کرنی ہو تو اس کی تحریر میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا : من مات علی وصیة مات علی سبیل وسنة ومات علی تقی وشهادة ومات مغفورا. (مشکاۃ المصابیح ص ۲۲۶)

جو وصیت کر کے مرا وہ حق کے راستہ اور سنت پر مرا، تقویٰ اور شہادت پر مرا، وہ مغفور ہے۔ اس حدیث سے بھی مطلقاً وصیت کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد وصیت اور صدقات کے اجر وثواب سے متعلق دو حدیثیں اور نقل فرمائیں، پھر فرمایا: ان سب حدیثوں کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ مسلمان اپنی زندگی میں کوئی نیکی کرے یا ورثا کو وصیت کر جائے اور اس کے ورثہ وہ کام کریں اور اس کا ثواب متوفی کو پہنچائیں تو جائز و درست ہے، یوں ہی سارے اعمال کا ایصال ثواب بھی جائز ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی وصیت میں بھی یہی تو ہے کہ عمدہ عمدہ کھانا تیار کر کے میری طرف سے لوگوں کو کھلایا جائے، تو حدیث شریف کے لفظ صدقہ سے کیوں خارج ہوگا؟۔ بلاشبہہ یہ وصیت احکام حدیث کے موافق ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ کچھ لوگ حق و باطل کا دوہرا معیار رکھتے ہیں، جو خود کریں وہ جائز اور جو دوسرے کریں وہ ناجائز۔ یہی وصیت اگر کسی دیوبندی یا وہابی کی ہوتی تو بالکل مخالفت نہ ہوتی؛ اس لیے ہم جناب حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی ایک وصیت پر اپنی یہ تحریر ختم کرتے ہیں۔

مولوی اشرف علی تھانوی کی وصیت:

دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے مرتے وقت اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو اس طرح وصیت کی:

''میرے بعد بھی میرے متعلقین کا خاص لحاظ ہو۔ وصیت کرتا ہوں کہ بیس آدمی مل کر اگر ایک ایک روپیہ ماہواری ان (بیوی صاحبہ) کے لیے اپنے ذمہ کر لیں تو شاید کہ ان کو تکلیف نہ ہوگی''۔ (تنبیہات وصیت ص ۲۰)

(تفصیل کے لیے دیکھیے فتاویٰ بحر العلوم ج ۴، کتاب السیر، رد بدمذہباں کا بیان، ص ۴۰۱-تا-۴۱۶)

ساجد علی مصباحی۔ استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۹ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ/ ۲۳ر دسمبر ۲۰۱۲ء۔ یک شنبہ